

نولانی تحریک کے رہنما

شیخ عثمان دان فودیو

محکم خاں مسعود

افریقہ میں اسلام حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی پہنچ چکا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ، عقبہ بن نافعؓ، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیادؓ کی کوششوں سے تمام شمالی افریقہ بلکہ سمندر کے پار سپین تک کا علاقہ اسلام کے زیر اثر آ گیا۔ لیکن افریقہ میں پہنچنے والی دوسری تہذیبوں کی طرح اسلام کو بھی ماورائے صحرائے مصر تک پہنچنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرنا پڑی۔ ”بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دینے والوں“ کی صحرائے افریقہ کو عبور کرنے کی تاریخ کئی صدیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ صحرائے علاقے میں بربر قبائل کی اکثریت تھی۔ حضرت عمرؓ عبد العزیز کے زمانے میں بربر قبائل میں تیزی سے اسلام پھیلنے لگا تو صحرا اور اس کا دورانی علاقے بھی اس سے متاثر ہوئے۔

افریقہ کی ماورائے صحرا کی بت پرست اقوام ارتقا کے ابتدائی دور میں تھیں۔ ان کے ہاں مظاہر پرستی کا زور تھا۔ ان کو اسلام سے روشناس کرانے کے لئے ایسے متوازی نظام کی ضرورت تھی جس میں بے حد لچک ہو اور جو ان کے اپنے معاشق اور دینی ڈھانچوں سے مطابقت رکھتا ہو۔ تصوف کا خانقاہی نظام ان مقاصد کے لئے بے حد مفید تھا اس کے ذریعہ بالکل خاموش انداز سے ان لوگوں کو اپنی زندگی کا رخ تبدیل کرنے میں مدد ملتی تھی چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں خانقاہی نظام کے مختلف سلسلے افریقہ میں پھیل گئے۔ اور ان کے زیر اثر مغربی افریقہ میں دریائے نیجیر کے علاقوں میں اسلام پھیل گیا۔

یہ خالق ہی نظام و حقیقت دین کی حفاظت کے لئے ایک مدافعانہ طریق کار متعین و مستعملہ کے دوران دیش ذہنوں نے اس دور میں اپنا واجب کہ عالم اسلام پے دوپے حملوں کی دہرے سے ماری اور اضطراب کا شکار ہو چکا تھا۔ یہ قطعاً امن پسند، رواداری کی قائل اور صلح جو تحریکیں تھیں جو یہی ان اور تصادم پیدا کئے بغیر خاموشی سے اپنی جدوجہد جاری رکھتی تھیں۔

افریقہ میں اس خالق ہی نظام نے بیک وقت کئی خلاؤں کو پُر کیا۔ افریقی معاشرت نہ صرف کسی دین کے تصور بلکہ اخلاق و قانون کے ضابطوں سے بھی ناواقف تھی۔ اس لئے ان کی شیرازہ بندی، معاشرتی استحکام اور سیاسی دفاع کے فرائض بھی زیادہ تر اسی خالق ہی نظام کو سونپا جائے دیئے پڑے۔ یہ تمام اختیارات ان کے ہاتھوں میں آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالق ہی نظام بتدریج پاپائیت کی صورت اختیار کر گیا۔

ابتدائی ادوار میں تو ان نظامات کی نگرانی مدبر ہاتھوں میں رہی، اس لئے نرمی اور رواداری سے بہتر نتائج برآمد ہوتے رہے لیکن بعد میں جب انہی اصولوں میں مبالغہ ہونے لگا تو اس سے پیچیدگیاں بڑھنے لگیں۔ یہ روحانی سلسلے مظاہر پرستوں کے دینی عقائد سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے۔ ان کا تبلیغی طریق کار خاموش عمل اور زائدانہ طرز زندگی تھا۔ اعمال و عقائد کے بارے میں سختی نہیں کی جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بت پرست، اسلام قبول تو کر لیتے لیکن ان کے دینی اور معاشرتی ادارے اس سے قطعاً متاثر نہ ہوتے۔ اور آہستہ آہستہ یہ سب مظاہر پرستانہ رسومات اسلامی رنگ اختیار کر گئیں۔ اسلام کی تاریخ میں بیرونی اثرات کی آمد کے ساتھ ہی ان کی اصلاح کی تحریکیں بھی اٹھتی رہیں۔ یہ دراصل دو متوازی رجحانات ہیں جو تاریخ اسلام میں مستقل موجود رہے۔ ایک رجحان "اخذوا منہاج" کا تھا جو دوسرے معاشروں اور تمدنوں سے اثرات لے کر مسلم تمدن میں وسعت اور گہرائی پیدا کرتا تھا اور اس کو محدود رہنے سے روکتا تھا۔ اس رجحان کی وجہ سے اسلام کی اشاعت میں اور نو مسلموں کے اسلامی معاشرہ میں کھپ جانے میں بڑی مدد ملی۔ دوسرا رجحان ان اثرات کی قطع و برید اور اصلاح کا تھا جو ان خارجی اثرات میں سے اسلامی روح کے منافی عناصر کو خارج کرتا رہتا۔ اور اسلام کے چشمہ صافی کو خارجی اثرات کی آلودگیوں سے پاک کرتا رہتا۔ ان رجحانات کے عمل اور رد عمل سے اسلامی تہذیب کا آنا بانا بنا گیا ہے۔

افریقہ میں بھی ان رجانات کا عمل اور رد عمل جاری تھا۔ حساس ذہن افریقہ کی دینی معاشرت کے اس رخ کو دیکھ رہے تھے اور اس خطرے کا انہیں شدت سے احساس تھا۔ گاہے بگاہے انفرادی کوششیں بھی کی جا رہی تھیں، لیکن اس بارے میں سب سے منظم اور نتیجہ خیز جدوجہد شیخ عثمان دان فودیؒ کی ہے۔ جو شمالی افریقہ کی سنوسی تحریک (۱۸۵۵ء) اور سوڈان کی مہمدی تحریک (۱۸۸۲ء) سے کافی عرصہ پہلے دریائے نائجر اور جھیل تشاد کے درمیانی علاقے میں ۱۸۶۷ء میں فولا نی قبائل کو متحد کر کے اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کر چکے تھے۔

شیخ کے وقت مغربی افریقہ کی دینی حالت

مظاہر پرستی کی آغوش میں پرورش یافتہ اس فکری اور ذہنی فضا میں اسلام سخت خطروں سے دوچار تھا۔ مسلمان قبائل بت پرست حکمرانوں کے زیر اثر ان تمام رسوم میں حصہ لیتے تھے جو قطعاً اسلامی تعلیمات کے خلاف تھیں۔ ان کا طرز زندگی بت پرستوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔ سلطان محمد دبیلو "انفاق المیسور" میں الحاج جبریل بن عمرؒ کے حوالے سے اس متوازنیت کے بارے میں لکھتے ہیں :

”شیخ عثمان بن فودی“ کا حادسہ تلفظ ”فولا نی“ ان کو حادسہ زبان میں ”فولانی“، کنوری میں ”فلا“، فرانسیسی میں ”پول“ کہا جاتا ہے، اکثر ”علیہ“ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ مغربی افریقہ کا حامی نسل کا قبیلہ ہے۔ میک کی رائے میں یہ قایم لیبیا کا سب سے قدیم قبیلہ ہے جس کا اصلی وطن مصر یا ایشیا ہے۔ فولانیوں کی زیادہ آبادی حادسہ ریاستوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ دریائے نائجر کے کنارے کنارے بدوی اور حضری دونوں طرح کی معاشرتی زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا زیادہ تر گزارا زرعی معاشرت پر تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر بے حد محنتی، قناعت پسند اور صلح جو تھے۔ ۱۸۵۰ء میں طوارق قبیلہ نے ان پر خراج لگا دیا لیکن چند ہی سالوں بعد انہوں نے بمبارا مغربی افریقہ میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر کے پہلی اسلامی سلطنت قائم کر لی۔

”سلطان محمد دبیلو۔ شیخ عثمان بن فودی کے فرزند ارجمند۔

”بلادِ سوڈان میں بہت پرستی اور اسلامی رسوم کا جو امتزاج موجود تھا اور جسے ان علاقوں کے حکمرانوں اور رعایا کی اکثریت اپنائے ہوئے تھی اسے بدعتِ مختریف یا تغیر یا مقامی عرت ہر گز نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ تو کھلم کھلا بت پرستی تھی۔ انہوں نے اپنے سابقہ اعمال و رسومات بالکل نہیں چھوڑی تھیں۔ اسے لاعلمی کہنے یا تجاہلِ عارفانہ کہ وہ نماز اور روزہ کی پابندی کر کے یہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ حقیقتاً وہ مسلمان نہیں تھے“

دستِ سلطان کی سلطنت پورے تو اگرچہ قطعاً مسلمان ریاست تھی لیکن ان کی رہنی حالت سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ مظاہر پرست ذہن نے اسلام سے صرف ظاہری مصالحت کی تھی۔ محمد و پیلو ”ہیلو جہاد کے بارے میں معذرت“ کے عنوان سے لکھتے ہیں :

”میں معلوم ہوا ہے کہ ان کے امراء و رؤساء نے اپنے لئے ایسی جگہیں بنا رکھی ہیں جہاں وہ چڑھتے ہیں اور قربانیاں دیتے ہیں۔ پھر وہ شہر کے دروازے پر غن بھرتے ہیں۔ اور ان کے بڑے بڑے گھر ہیں جہاں وہ سانپ اور دوسری چیزیں رکھتے ہیں جن کے سامنے قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ وہ دریائے نیل کو اسی طرح بھینٹ چڑھاتے ہیں جس طرح زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔۔۔۔۔

وہ ایسی رسمیں مناتے ہیں جن میں قرآن کے قاری، حکمران اور اس علاقے کے لوگ حصہ لیتے ہیں۔ باہر کے لوگوں کو اس میں شمولیت کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان صدقات [نذریناں] اسی کی وجہ سے وہ خوش حال ہیں اور نقصان وہ اثرات سے محفوظ ہیں۔ اگر وہ یہ رسمیں انجام نہ دیں تو ان کی فصلیں تباہ ہو جائیں اور ان کے ذرائع معاش ختم ہو جائیں۔۔۔ یہ رواج نسلاً بعد نسل آرہے ہیں۔ میں ایک بھی ایسے حکمران یا عالم کا نام معلوم نہیں جس نے ان رسوم کی مذمت کی ہو۔ اگرچہ کچھ عرب اور فولاہی لوگ ان رسوم میں حصہ نہیں لیتے اور ان کے خلاف احتجاج کرتے رہتے ہیں۔

یقیناً یہ © rasailojaraid.com کے حکمران و رعوی ہی تھا کہ

ان میں شرک یا تعدد الہ کا کوئی تصور موجود نہیں لیکن درحقیقت وہ اسی مظاہر پرستی پر قائم تھے۔ کیونکہ وہ جن دھنوں، پانیوں اور مقامات کی پرستش کرتے تھے، وہ قبول اسلام سے پہلے بھی ان کے آیات کی پرستش کا ہی تھیں۔
ان حالات میں شیخ عثمان دان فودیو سانشے آئے۔

شیخ عثمان دان فودیو

شیخ عثمان دان فودیو طوارڈ کے قبیلے میں گوئیر میں ۵۲ھ ۶۱ء میں پیدا ہوئے خوش قسمتی سے انہیں الحاج جبریل بن عمر جیسے باشعور اور مجاہد استاد سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ الحاج جبریل ان دنوں گوئیر میں احیائے اسلام کی مساعی میں مصروف تھے۔ شیخ عثمان ان سے بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے استاد کے نقش قدم پر ۵۴ھ ۶۱ء میں کئی میں مبلغ کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا۔ انہی دنوں الحاج جبریل بن عمر کو گوئیر کے حکمران نے گوئیر سے نکال دیا۔ کیونکہ جس طریقے سے صوفیائے بت پرستوں سے مصالحت کر لی تھی وہ الحاج جبریل کو پسند نہیں تھا اور وہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ادھر دوسرے علاقوں میں اسی قسم کی تبلیغی مساعی کی خبریں آرہی تھیں۔ شیخ عثمان غالباً انہی دنوں حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔

حجاز میں ان دنوں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (۱۷۰۳-۱۷۹۲ء) کی تحریک اصلاح دہیائے سنت زوروں پر تھی۔ اسلامی دنیا کا مرکز ہونے کی وجہ سے دنیا کے دوسرے علاقوں کے علماء یہاں آتے اور متاثر ہو کر واپس جاتے۔ شیخ عثمان بھی اس تحریک کے رہنماؤں سے ملے جیسا کہ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے غالباً انہیں محمد بن عبدالوہاب سے درس لینے کا موقع بھی ملا۔ وہ اصلاح کا نیا جوش اور دلولہ لے کر واپس وطن لوٹے اور تبلیغ کا کام از سر نو شروع کر دیا۔

تحریک کا آغاز | اصل تحریک کا آغاز ۱۷۸۶ء میں ہوا۔ شیخ عثمان نے زمخارا ریاستوں میں پانچ سال

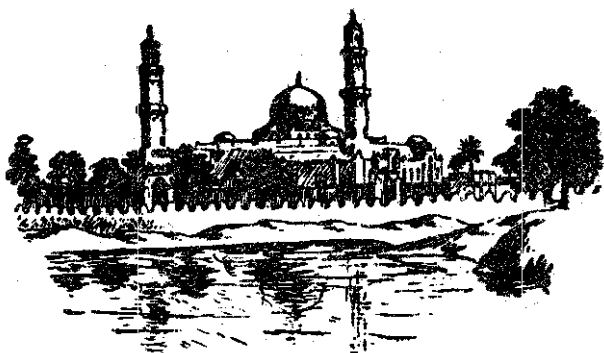
طوارڈ۔ اس قبیلے کو طوارڈو بے یا نا کو کو بھی کہا جاتا ہے۔ سلطان محمد ویلو نے طوارڈ اور نولانی کے درمیان امتیاز کیا

ہے یہ قبیلہ گوئیر میں آباد تھا یہ اصل نولانی نہیں بلکہ قبیلہ منڈی کے نسل سے ہیں
ملا۔ محمد ویلو نے حالیہ مطبوعہ خود نوشت سوانح عمری میں شیخ کا سال ولادت ۱۷۸۴ء بیان کیا ہے۔

تبلیغی جدوجہد کا آغاز کیا۔ انہوں نے حاؤسہ ریاستوں میں تمام مذہبی رہنماؤں کو اس تبلیغی جدوجہد کے لئے آمادہ کیا۔ علما کی مدد سے بہت جلد فولانی لوگ متحد ہوئے لگے۔ لیکن اس سے حکمران قبیلوں کو شدید خطرہ محسوس ہوا اس جدوجہد کی سب سے زیادہ مخالفت گوئیر کے حکمران نفانے کی۔ اس کا بیٹا یونفا اگرچہ شیخ عثمان کا شاگرد تھا لیکن بڑھتی ہوئی تنظیم اسے سلطنت کے لئے خطرہ محسوس ہوئی۔ اس لئے اس نے اسے سختی سے دبانے کی کوشش کی۔ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تبلیغی جدوجہد تشدد کا رنگ اختیار کرنے لگی۔ اسی ایام میں ایک اقمہ پیش آیا جو مزید اشتعال انگیز ثابت ہوا۔ حاکم گوئیر کے آدمیوں نے غلاموں کے حصول کے لئے چھاپہ مارا۔ شیخ عثمان نے دیکھا کہ لوگوں کو زبردستی غلام بنا کر لے جایا جا رہا ہے جن میں کچھ مسلمان بھی شامل تھے۔ شیخ عثمان نے حملہ کر کے انہیں آزاد کرالیا۔ اس پر باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ یونفانے داجیل پر جہاں شیخ عثمان کی ان دنوں رہائش تھی حملہ کر دیا اور آپ ہجرت پر مجبور ہوئے۔

جہاد

اب شیخ عثمان نے باقاعدہ جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلا حملہ گوئیر پر کیا۔ ان کے بھائی شیخ عبداللہی دان فودیو نے ۱۸۰۴ء میں یونفا کی فوجوں کو شکست دی۔ اب فولانی مریدین جہاد کی باقاعدہ بیعت کے لئے جمع ہونے لگے۔ انہوں نے شیخ کو ”سارکن مسلمی“ (امیر المومنین) کا خطاب دیا۔ گوئیر کی شکست سے حاؤسہ کے حکمرانوں میں بے چینی پھیل گئی۔ یونفانے کاسینا، کالو، داوارا اور



اور آہستہ کے حکمرانوں کو خطوط لکھے۔ ان حکمرانوں نے پیش بندی کے طور پر فولانیوں پر حملے شروع کر دیے اور شیخ عثمان کے مریدوں پر تشدد کا آغاز کیا۔ اس سے وہ فولانی بھی برا بیگنہ ہو گئے جو انتہائی خاموشی پسند اور نرم طبیعت تھے اور وہ بھی بیعت جہاد کے لئے آئے لگے۔ شیخ عثمان نے اب تمام حاؤسہ ریاستوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ آپ نے مختلف علما میں چودہ پرچم تقسیم کئے اور ان پرچم برداروں کو جہاد کی اجازت دے کر مختلف علاقوں میں متعین کر دیا۔ چنانچہ ان کی جدوجہد سے ۱۸۰۵ء میں گیتی اور زاریہ، ۱۸۰۶ء میں کاستنیا، ۱۸۰۸ء میں گوگیر اور ۱۸۰۹ء میں کاتونج ہو گئے۔ ۱۸۰۸ء میں بورنوپر حملہ ہوا لیکن شیخ محمد الامین (ادکانمی) نے شدید مزاحمت سے حملہ کو ناکام بنا دیا۔ دریائے نایجر اور دریائے کادونا کے درمیانی علاقے نوپے پر بھی حملہ ہوا۔ یہاں کے مقامی مذہبی رہنما موسیٰ دندو (جو شیخ عثمان کے پرچم یافتہ تھے) کی سیاست سے ۱۸۱۰ء میں نوپے بھی فتح ہو گیا۔

۱۸۱۰ء تک تمام حاؤسہ ریاستیں فولانی سلطنت میں شامل ہو چکی تھیں۔ پہلی امارتوں کے علاوہ فولانیوں نے نئی امارتیں بھی قائم کیں: باؤچی، گوئیے، کائام، جاسی، کیتی، آواوا، نصرآوا اور لافیا۔ داندی پر بھی حملہ ہوا لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔

شیخ عثمان نے دوسرے صوفیاء فرقوں کی طرح فولانی سلطنت کو مذہبی پیشواؤں کی حکومت (THEOCRACY) نہیں بنے جیسا کہ یہ خالصتہً ایک اسلامی سلطنت تھی۔ پیش بندی کے لئے شیخ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عام طور پر مفتوحہ علاقے پرچم یافتہ فاتحین کے انتظام میں دے دیے اور ان کو کافی حد تک خود مختار بنا دیا۔ اس طرح کمزور مرکز ہونے کی وجہ سے فولانی سلطنت مذہبی پیشواؤں کی حکومت بننے سے محفوظ رہی۔ انتظامی امور اور مالی نظامات میں انہوں نے حاؤسہ کے قدیم نظامات کو برقرار رکھا۔

آخر عمر میں شیخ عثمان نے سلطنت دو حصوں میں تقسیم کر دی۔ ایک حصہ اپنے بیٹے محمد و بیلو کو دیا جس کا دارالخلافہ سکوتو تھا۔ دوسرا اپنے بھائی عبداللہ کو، جس کا دارالخلافہ گوانڈو تھا۔ اس تقسیم سے مرکز مزید کمزور ہو گیا۔ اس طرح اگرچہ اسلامی قانون کو دستوری حیثیت حاصل نہ ہوئی۔ لیکن انفرادی اور

کئے جاتے ہیں۔

شیخ عثمان کا مسلک اور طریق دعوت

خاندان ہی نظام کے زیر اثر کتاب و سنت کی طرف براہ راست رجوع کی بجائے عام طور پر لوگ شیوخ اور فقہاء کے واسطے سے پہنچتے تھے، بلکہ سچ پوچھتے تو وہ شیوخ اور فقہاء سے آگے جانا پسند نہیں کرتے تھے، خواہ سنت صحیحہ سے اس کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو رہی ہو۔ شیخ کو یہ رجحان بہت ناگوار گذرتا تھا، وہ وہابی تحریک سے متاثر تھے، چنانچہ ان کا مسلک قرآن اور سنت صحیحہ کی طرف دعوت تھا، سنت کی حجیت پر زور دیتے تھے۔ ایسے تمام امور میں جہاں قرآن میں واضح رہنمائی نہ مل رہی ہو یا امت میں باہمی اختلافات موجود ہوں، سنت صحیحہ کی طرف رجوع ہی واجب تھا۔ کتاب و سنت کے مقابلے میں کسی شیخ یا امام کا اتباع وہ اسلامی روح کے منافی سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”وفی الداخل“ تجد بعضہم لا یعرف السنۃ، بل لا یتبع الا شیخہ، فاذا قلت لہ: السنۃ کذا وکذا، یقول لا، کان شیخی یفعل کذا، وطریق شیخی کذا، ویضادہم بذلک السنۃ الواضحہ

اور مدخل میں ہے کہ بعض لوگ ایسے نہیں گے جو سنت کو جانتے ہی نہیں، وہ صرف اپنے شیخ کی پیروی کرتے ہیں، اگر آپ ان سے کہیں کہ ”سنت“ تو ایسے ایسے ہے وہ آپ سے کہے گا کہ میرا شیخ تو ایسے کرتا تھا اور میرے شیخ کا طریقہ تو یہ تھا خواہ یہ (طریقہ) سنت واضح سے کھلم کھلا کیوں نہ ٹکراتا ہو۔

اسلامی مفہیم کی تصحیح

تصوف کے نرمی پسند اور صلح جو رجحان کی وجہ سے اکثر اسلامی اصطلاحات کے مفہوم بدل گئے تھے اکثر ان اصطلاحات کا مفہوم اصل سے قطعاً برعکس لیا جانے لگا تھا۔ شیخ نے اپنی تصانیف میں ان مفہیم کی تصحیح کی کوشش کی اور تفصیلی بحث کے ساتھ ان میں اضافے اور تحریفات کا تجزیہ کر کے بدولت ان مفہوم کو

تصوّر کے زیر اثر ”توکل“ عیسیٰ عظیم اور وسیع قدر کو قطعاً مختلف مفہوم میں استعمال کیا جانے لگا تھا۔ اس کے معنی کا رخ ”خدا پر اعتماد“ سے تقدیر پرستی اور کھلی بے ہمتی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ عمل سے بیزاری اور بالوسی کی صورت میں نکلا۔ چنانچہ ”توکل“ ”عاجزی“ اور ”بے علی“ کا مترادف ٹھہرا۔ شیخو نے اس مفہوم کی تقلید کی۔ اور توکل کے صحیح مفہوم کو واضح کیا۔

الدعوة الى الله :- معاشرتی اور سیاسی ضرورتوں کے ماتحت خانقاہی نظاموں کو ریاست کی صورت اختیار کرنی پڑی تھی۔ چنانچہ شیوخ کے ہاں ”الدعوة الى الله“ سے مراد ”قیام ریاست کی دعوت“ سمجھا جانے لگا۔ اس طرح بتدریج ”دعوة الى الله“ کے ساتھ ”حب ریاست“ کا مفہوم چسپاں ہونا لگا۔ شیخو نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے مسلم ریاست کو عیسائی پاپائیت کی نقل بننے سے دور رکھنے کے لئے ہر اس دروازے کو بند کرنے کی کوشش کی جہاں سے یہ ریاست مذہبی پیشواؤں کی حکومت کی شکل اختیار کر سکے۔ چنانچہ جہاد کے دوران جب حاوئہ ریاستیں پے درپے ان کے ماتحت آرہی تھیں تو انہوں نے پرچم داروں کو ہی وہاں کا والی مقرر کر دیا اور ان کو خود مختاری دے کر مرکز کو کمزور رکھا تاکہ یہ خانقاہی نظام کی طرح پاپائیت کی صورت اختیار نہ کر لیں۔ اسی دور اندیشی کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ ناسمجریا اسلامی سلطنت نہیں ہے لیکن شریعت اسلامی عوام کی زندگیوں میں داخل ہے۔

علم الکلام :- یہ عقیدہ بھی سرایت کر گیا تھا کہ ایمان اس وقت تک پختہ نہیں ہوتا جب تک عقائد کی تعلیم پورے دلائل کے ساتھ حاصل نہ کی جائے۔ یہ دراصل علم کلام کا اثر تھا کہ مسلمان عقائد کی کتابوں پر انحصار کر کے فلسفیانہ موٹسگانیوں میں الجھنے لگتے تھے۔ شیخ عقائد میں ان پیچیدگیوں کے سختی سے مخالف تھے۔

”ومن تلك الزوہام اعتقاد بعضهم ان احاد لا يحکم له بالا یمان والا سلام الا بعد تعلم العقائد والالتفاء وما یناظر به الخصوص وما تحل به الشبهات“ اور اپنی اذہام میں سے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان اور اسلام اس وقت تک مستحکم نہیں ہوتا جب تک عقائد اور ان کے دلائل نہ سیکھ لئے جائیں جس سے حریف سے اور اہل ایمان کے خلاف دلائل سے مستحکم کیے جاسکیں۔

سے شبہات کو حل کیا جاسکے۔ ان دلائل کے حفظ، تکرار و اعادہ اور ان کی عبارت کو پوری طرح دہرانے کی قابلیت پیدا کی جائے۔ یہ بھی گمراہی ہے اور بالاجماع دہم ہے۔ اگر ان کے اس مفروضے کو صحیح مان لیا جائے تو اس رجحان کے دو نتیجے نکلتے ہیں: یا لوگوں کے قبولِ اسلام سے انکار یا کسی ایسے صاحب بصیرت مشکلم کا تعین جو ضروری حد تک دلائل سے بخوبی واقف ہو جو ان کو کلام کے طریقوں کی تعلیم دے سکے، اس کے بعد جا کر کسی کے ایمان کے پختہ ہونے کے متعلق رائے دی جاسکتی ہے۔ چونکہ وہ بھی اسے عملاً نہیں کر پائے اور آج تک کبھی ایسا نہیں ہو سکا اس لئے ثابت ہوا کہ ان کا یہ موقف باطل ہے۔

مع الحفظ والعد والقدرۃ علی العبارة
بذلك كله - وهذا ايضا باطل ودهم
على الاجماع ولو كان ما زعموا حقلا اشتغلوا
باحدا همين: اما بالاعراض عن قبول
اسلامهم، او بنصب متكلم حاذق
بصير بالادلة عالم بكيفية الحاجة،
ليعلمهم صناعة الكلام، ثم بعد ذلك
يحكمون بايمانهم، وعند الكلام، ثم بعد
ذلك يحكمون بايمانهم، وعند امتناعهم
وامتناع كل من قام متامهم الي يومنا
هذا عن ذلك - فطهران ما ذهبوا اليه
باطل

مسلم کی تعریف:

علم کلام کے زیر اثر ”ایمان“ اور ”عمل“ کی فلسفیانہ موشگافیاں یہاں بھی درآئی تھیں۔ ”مسلم“ اور ”مؤمن“ میں تمیز کرتے ہوئے ”مسلم“ کی تعریف یہ کی جائے گی تھی کہ مسلم وہ ہے جو اسلام کا اظہار کرے خواہ اس کے دل میں ایمان موجود نہ ہو۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ دراصل ”منافق“ کی تعریف تھی جو ”مسلم“ پر چسپاں کر دی گئی تھی۔

ابھی ادہام میں سے منافق کے معنی مسلم پر چسپاں کرنا ہے ان کے نزدیک مسلم کی تعریف یہ ہے کہ جو اسلام کا اظہار کرے لیکن دل میں ایمان نہ ہو۔ حالانکہ یہ کھلم کھلا نفاق ہے۔ یہ بھی بالاجماع باطل ہے۔ کیونکہ مسلم کی

”ومن تلك الادهام رد لبعضهم معنى المسلم الى معنى المنافق، لأن حقيقة المسلم عندهم من يظهر الاسلام وهو غير مؤمن في قلبه، وهذا عين النفاق وهذا ايضا باطل ودهم بالاجماع لأن حقيقة المسلم

من يظهر الاسلام وهو مومن في قلبه مؤمن هو كيونك ايمان حقيقت اسلام كى شرط هـ۔
لأن الايمان شرط في حقيقة الاسلام۔

عمل سے بیزاری کے رجحان نے جہاں اور مفاہیم میں تحریفیں کیں وہاں مشہور
دین کا تصور: حدیث "الدین یسر" کو بھی غلط مفہوم پہنا دیا گیا۔ چنانچہ واجبات کی ادائیگی
اور محرمات سے احتراز کو دین میں تنگی پیدا کرنا سمجھا جانے لگا۔ تبلیغ کو تشدد کے معنوں میں لیا گیا۔

ومن تلك الاوهام اعتقاد بعضهم ان
قوله صلى الله عليه "الدین یسر" یجب
التساهل ولو فی الواجبات والمحرمات
واذا سمعوا من یأمر بالمعروف ویمنهى
عن المنکر فی البلد؛ قالوا: "هذا مشدّد"
ان دین الله یسر۔
اسی اوہام میں سے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کی
حدیث "الدین یسر" (دین آسان ہے) واجبات اور
محرمات تک میں تساہل کو ضروری ٹھہراتی ہے۔ جب
وہ شہر میں کسی کے بارے میں نیکی کا حکم دیتے اور بڑائی
سے روکتے سنتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ تشدد ہے،
اللہ کا دین تو آسان ہے۔

اجتہاد اور تالیفات

اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر قسم کی تبلیغی جدوجہد کو بے معنی سمجھا جانے لگا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ تالیف تصنیف
کو بے کار کا مشغلہ سمجھتے تھے۔ اکثریت کا کہنا تھا کہ ہائے اسلاف ائمہ نے دین کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں چھوڑا
جس پر انہوں نے حکم نہ دے دیا ہو۔ اس لئے مزید لکھنے کی بجائے وہ متقدمین کی کتب کی شرح لکھنے کو ہی
کافی سمجھتے تھے۔

شیخ عثمان نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ انہوں نے کہا کہ ہر عالم اور صاحب تصنیف اپنے
عہد کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تعبیرات پیش کرتا ہے۔ اس لئے ہر زمانے میں تصنیف
تالیف کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اس عقیدے کی بھی تغلیط کی کہ متاخرین کے سامنے اللہ علم
کی وہ راہیں نہیں کھولے گا جو متقدمین کے سامنے کھلی تھیں۔ شیخ فرماتے ہیں۔

ومن تلك الاوهام ان بعضهم یقول:
القنوب ترک الاشتغال بالتوالیف
ابنی اوہام میں سے ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ آج کل
تالیف کا مشغلہ ترک کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ ائمہ اعظام

جو ہم سے پہلے گزر چکے۔ انہوں نے کوئی ایسی بات
چھوڑی ہی نہیں جس پر ہمیں ضرورت پیش آئے۔ وہ
آجکل کے لکھنے والوں سے علم میں کہیں زیادہ تھے۔ یہ بھی
بالاجماع دہم اور باطل ہے۔

کیونکہ ہر عالم اپنی تالیف میں اپنے دور کے لوگوں کی
استعداد اور ان کے اغراض و غایات کی رعایت
رکھتا ہے۔ یہاں وہ ان سے بخوبی واقف ہوتا ہے اس
لئے کسی بھی عالم کی تالیف اس کے دور کے لوگوں کے
لئے دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ مفید ہوتی ہے۔
اپنی ادہام میں سے ہے کہ وہ اس بات کو ناممکن سمجھتے
ہیں کہ بعد میں آنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ علم کے
وہ دروازے کھولے جو ان کے متقدمین کے لئے
کھولے تھے۔ یہ اللہ کے فضل کے بارے میں یہ کہتے
ہیں، تم کون جوتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کا فضل
زمان و مکان سے مخصوص نہیں۔ وہ ہر چیز
پر قادر ہے تو یہ بات مستبعد کیسے ہے۔

المؤلفۃ الیوم، لان تالیف الامۃ الاعلام
الذین تقد صولم تترك لنا شیئا يحتاج
الیہ، وہم اوفر علماء من الذین یؤلفون
الیوم، وهذا ایضا باطل روہم علی الاجماع
لان کل عالم یراعی فی تالیفہ مہم اہل
زمانہ واغراضہم، لانہ العالم
بذلك ولہذا کان تالیف کل عالم
فی زمانہ النفع لاہل ذلك الزمان
من تالیف غیرہ۔

ومن تلك الاوهام ان بعضهم
يستبعد ان يفتح الله لأحد من تأخر
عالم يفتح لأحد من شيوخهم في
باب العلم. وهذا أيضا باطل روہم
علی الاجماع۔ فمالیقال بفضل اللہ: ذابکم؟
اذکان فضل اللہ تعالیٰ لا یختص بالأزمنة
والأمكنة، وهو تعالیٰ قادر علی کل شیء
کیف یتبع ذلک؟

تفسیر: اجتہاد کی ممانعت اور اسلاف پرستی کے غلو کا نتیجہ تھا کہ متقدمین کی تمام کتابوں
کو حق اور ان کی کسی بات میں شک کو خلاف ایمان سمجھا جانے لگا تھا۔ یہی عقیدہ کتب تفسیر کے
متعلق تھا۔ اس وقت کے علما کا کہنا تھا کہ تفسیر کی کتابوں میں جو کچھ ہے حق ہے کیونکہ وہ کلام
الہی کی تفسیر ہے۔ شیخ نے اس غلط عقیدہ کی تصحیح کی۔

ومن تلك الاوهام اعتقاد بعضهم
ان كل ما وجد في كتب التفسير
هو حق وان كل ما وجد في كتب التفسير
هو حق۔ ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ
جو کچھ کتب تفسیر میں ہے حق ہے۔ کیونکہ وہ

حق، لانہا تفسیر کلام اللہ۔ وھذا
ایضا باطل و وہم علی الاجماع، لأن
کتاب جھلۃ المفسرین مملوءة
بالا باطل و ما لا یلیق بالانبیاء

کلام اللہ کی تفسیر ہے۔ یہ بھی بالاجماع باطل اور
گمراہی ہے۔ کیونکہ جاہل مفسرین کی کت میں بطل
عقیدوں سے پر ہیں اور ان میں ایسی ایسی باتیں
موجود ہیں جو انبیاء کے لائق نہیں۔

”احیاء السنّة“

”احیاء السنّة واخاد البدعة“ شیخ عثمان بن فودی کی بہت ہی اہم تالیف ہے۔
اس میں ان کی تعلیمات، دعوت اور طریق کار کی وضاحت ملتی ہے۔ اسے ادارۃ العالمہ للثقافت
الاسلامیہ ازہر نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا ہے۔ اس کا مقدمہ شیخ الانہر ڈاکٹر محمد البھی نے لکھا ہے
کتاب کل ۳۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں کتاب و سنت اور اجماع
کی تعریف سے بحث کی گئی ہے۔ اور ان کے اتباع پر زور دیا گیا ہے۔ دوسرے میں بدعت کی
حدود سے بحث ہے۔ تیسرے اور چوتھے باب میں عقائد بحث ہے۔ پانچویں باب سے ۳۲ ویں
باب تک فقہی مسائل اور ان کے فروعات کا تفصیلی بیان ہے۔ آخری باب میں تصوف کو زیر بحث
لایا گیا ہے۔

طریق بحث! ہر باب میں قرآن، سنت اور اجماع صحابہ کی روشنی میں احکام بیان کرتے
ہیں۔ اس کے بعد ان بدعات کا ذکر کرتے ہیں جو اس سلسلے میں بعد میں پیدا ہو گئیں اور
ان کی درجہ بندی کر کے سنت صحیحہ کی طرف رجوع کی دعوت دیتے ہیں۔

مقصد! کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

یعلم الناظر فی هذا الكتاب ان
مقصودہ فیہ۔ ان شاء اللہ۔ احیاء
السنّة المحمّدیۃ واخاد البعاۃ
الشیطانیۃ

اس کتاب کے قاری کو معلوم ہونا چاہئے
کہ میرا مقصد انشاء اللہ سنت محمدیہ
کا احیاء اور شیطانی بدعت کا قلع قمع کرنا
ہے۔

بدعات! انہوں نے بدعت کا لفظ صحیح استعمال کیا ہے۔

درجہ بندی کا تعین کیا ہے۔

۱۔ واجب اجماعی : ایسی بدعات جو بدعتِ حسنہ ہونے کی وجہ سے اُمت نے اجماعی طور پر اختیار لیں مثلاً تہذیب قرآن۔

۲۔ حرام اجماعی : ایسی بدعات جن کے حرام ہونے پر اُمت کا اتفاق ہے مثلاً علماء پر جاپلوں کو فضیلت۔

۳۔ مندوب : ایسی بدعات حسنہ جن کا اختیار کرنا باعثِ ثواب ہے۔ مثلاً تراویح۔

۴۔ مکروہ : ایسی بدعات جن کا ترک ضروری ہے مثلاً بعض ایام کو عبادت کے لئے مخصوص کر لینا تسبیح کا تعین۔

۵۔ مباح : مثلاً خوبصورت لباس، خوبصورت مکان وغیرہ۔

تصوف ! لوگوں کا عام عقیدہ تھا کہ معرفتِ خداوندی کے لئے کسی شیخ کی ضرورت ہے اور ہر اس شخص کی اقتدا صحیح ہے جو ”صاحب کشف“ ہو۔ شیخ تصوف کے قائل تھے اور اسے عبادت کی روح سمجھتے تھے لیکن وہ اس خانقاہی نظام کے مخالف تھے جس میں سراسر بے علی کو تصوف کا نام دیا جا رہا تھا۔

آخری باب میں تصوف سے بحث کرتے ہوئے، اسے عبادت کی روح قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ”احسان“ سے مراد سنتِ نبوی کا اتباع ہے اور بس۔

اما طریق السنۃ المحمدیہ فی باب الاحسان
الذی ہو بابہ التصوف، فہو ان یقتدی
کل واحد ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
یفعل بہ
”احسان“ کے بارے میں جو ”تصوف“ ہے سنتِ محمدیہ کا طریق یہ ہے کہ ہر شخص ان امور کی پیروی کرے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا۔

تصوف میں بدعات

سنتِ نبوی کے اتباع کی بجائے تصوف میں عجیب و غریب بدعات اختیار کر لی گئی تھیں۔ شیخ عثمان ان کا مفصل ذکر کرتے ہیں۔ خود گویا بیخودوں سے باندھ لینا یا پہاڑ سے باندھ لینا، اولیاء کی کمر بستہ رہنا اور اس کے اہل

نہیں ہیں، شگون، فال اور کشف پر کام ملتوی کرنا ایسی ہی بدعات ہیں۔ سماع کو علما جائز قرار دیتے تھے۔ شیخ عثمان اسے بدعت محرمہ قرار دیتے ہیں۔ شیخ نے اس عقیدے پر بھی کڑی تنقید کی کہ ولی عبادت و ریاضت سے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں ظاہری اعمال کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔

جہاد (اصلاح دعوت)

کتاب کے آخر میں ”تنبیہات“ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

اعلامکم بان جمیع فنون العلم موجودۃ عند العلماء، لکن المفقود فی ہذا الانر منۃ علم السنن والبدع، الا عند القلیل منهم، اعلامکم بانہ یجب علی کل عالم الا یسکت فی ہذا الانر منۃ، لان البدع قد ظہرت رشاعت فیہا۔ وکل من تعد الیوم فی البیت انما کان فلیس خالیاً عن المنکر من حیث التقاعد عن ارشاد الناس وتعلیمہم وحملہم علی المعروف

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس زمانے میں سارے علوم و فنون علما کے پاس موجود ہیں اگر نہیں تو سنت و بدعت کا علم موجود نہیں، ہاں محدود دسے چند لوگ اسے جانتے ہیں۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر عالم پر یہ فرض ہے کہ وہ اس زمانے میں خاموش نہ رہے۔ کیونکہ بدعتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور پھیل چکی ہیں۔ جو کوئی بھی جہاں کہیں بھی ان دنوں گھر میں بیٹھا رہا تو وہ برائی سے خالی نہیں کیونکہ اس نے لوگوں کو نصیحت اور ان کی تعلیم سے استرازا کیا اور انہیں نیکی کی ہدایت سے غفلت کی۔

طریق کار

اس دعوت کے طریق کار کا خاکہ پیش کرتے ہوئے، اپنے مریدین کو ہدایت کرتے ہیں

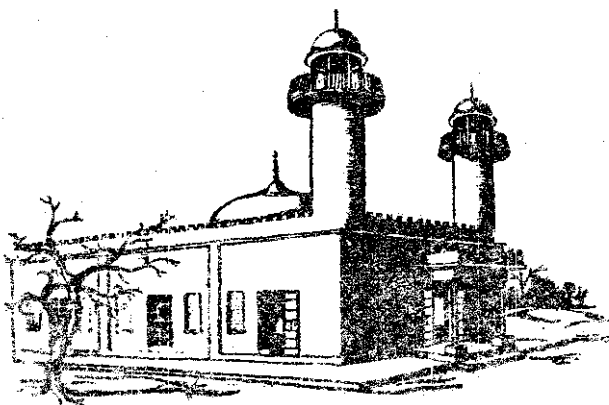
”و یجب ان یکون فی کل مسجد ومحلۃ فی البلد فقیہ یعلم الناس دینہم، وکذا فی کل قریۃ، اما العالم فلتقصیرہ فی الخرج، واما الجاہل فلتقصیرہ فی ترک العلم... ومعلوم ان الانسان لا یولد

یہ ضروری ہے کہ شہر کی ہر مسجد اور ہر محلہ میں ایک فقیہ ہو جو لوگوں کو ان کا دین سکھائے اور اسی طرح ہر گاؤں میں۔ عالم کا گناہ یہ ہے کہ وہ دعوت اصلاح کے لئے باہر نہ نکلے اور جاہل کا گناہ یہ ہے کہ وہ علم چھوڑ دے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ کوئی بھی شریعت کا عالم بن کر

پیدا نہیں ہوتا اس لئے تبلیغ صرف اہل علم ہی کریں۔ جس شخص کو ایک مسئلہ کا بھی علم ہے وہ اس کا عالم ہے۔ لیکن فقہاء پر گناہ زیادہ ہے۔ کیونکہ ان میں تبلیغ کی استعداد عوام سے کہیں زیادہ ہے۔ جو شخص عوام کی برائیوں کی اصلاح کی قدرت رکھتا ہے اس کے لئے تساہل اور غفلت جائز نہیں بلکہ اس پر خروج واجب ہے۔

عالمًا بالشرع واما يجب التبليغ على اهل العلم، وكل من تعلم مسألة واحداً في دهره عالم من اهل العلم بها، ولكن الاثم على الفقهاء اشد لان قدرتهم على تبليغ العلم اظهر، وكل قادر على تغيير المنكر في الناس لا يجوز له ان يسقط ذلك عن نفسه بالتعود في البيت، بل يلزمه الخروج

اس عبارت میں ”فقیہ“ کے لفظ پر زور شیوخ کے طریق کار کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ کس طرح صوفیا، واعظین اور خانقاہی شیوخ کی جگہ ”صاحب بصیرت علما“ کو دے رہے تھے۔ شیوخ عثمان کی ان پر جوش مساعی اور سادہ تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ ان کی قائم کردہ فولانی سلطنت مغربی افریقہ کی آئندہ ترقی اور اسلامی انقلاب کی بنیاد بن گئی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے محمد و بیلو کی قیادت میں اسے مزید استحکام حاصل ہوا۔ شمالی نائیجیریا کے موجودہ وزیر اعظم محمد و بیلو ان ہی سلطان محمد و بیلو کے خاندان کے رکن رکین ہیں۔



مآخذ

1. Arnold, T.W. Thomas, *The Preaching of Islam*, Lahore, 1961. pp. 103—132, 315—367.
2. Trimingham, J. Spencer, *Islam in West Africa*, London, 1962. pp. 141—213, 242—244.
3. Bello, Sir Ahmadu, *My Life*, Cambridge, 1962. pp. 10—19.
4. *Encyclopaedia of Islam*, Articles on: Pul, Wahhabia, Sudan.
5. Burns, Sir Alan, *History of Nigeria*, London, 1963. pp. 50—64.

۶۔ شیخ عثمان بن فردی: "احیاء السنۃ واتحاد البدعۃ"۔ ادارۃ العامۃ للثقافت الاسلامیہ

از ہر ۱۹۶۲ء

۷۔ جناب عبداللہ المسدوسی: "افریقہ میں تبلیغ اسلام"، رسالہ بینات، کراچی، جلد: ۳، عدد: ۳

صفحات ۱۴۵-۱۴۶